تحقیق: اقسام اور مدارج

غلام شبیر اسد☆

Abstract:

Research is discovery of facts and truths in order to enlarge the circle of knowledge so that the journey of truth continues.Functions of research are not only to discove and establish new fact but it is also a re-establishment of some older facts.Research is not only a human instinct but also a religious value to discover this universe.So the researcher needs to be an honest and ever searching person who is not dogmatic and ready to ammend his knowledge and impart it to others.Types of research include academic and not academic, individual and collective research.There are strong similarities between research and criticism.Both are corelative and go hand in hand.

انسان، فطری طور پر متجسس رہا ہے۔اس کی ہمہ دم بدلتی اضطراری کیفیات اسے اس جستجو میں برابر لگائے رکھتی ہیں کہ موجود و دستیاب کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس حقیقت کی اصل اور منبع سچ کیا ہے؟ انسان نے آدم تا ایں دم، ہر واقعہ، سانحی، حادثہ یا سماجی مظہر سے جانکاری کے لیے خود کو مضطرب پایا ہے۔اپنے اضطراب کے سامنے بند باندھنے کے لیے اس نے تلاشِ حق اور جستجوئے سچ کا سلسلہ جاری رکھا کسی چیز کی دریافت، شناخت اور بازیافت کے لیے اس نے جو سرگرمیاں انجام دیں وہ تحقیق کے زمرے میں آتی ہیں۔تحقیق جہاں انسانی فطرت کی متجسسانہ روش کا خاصہ ہے وہاں مقتضائے حکمِ خداوندی بھی ہے۔سورۃ الحجرات، پارہ نمبر ۲۶، آیت نمبر ۶، میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''اے ایمان والو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔'' اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحقیق کے بغیر سرانجام دیا گیا عمل آپ کی جہالت اور

☆ لیکچرار گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ

پھر اس کے نتیجے میں ندامت پر منتج ہوگا۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر خبر کی وضاحت وتحقیق کر لینی چاہیے۔تاریخ شاہد ہے کہ فطرتِ انسانی کی متجسسانہ روش نے جناب آدمؑ کو دانۂ گندم کی حقیقت معلوم کرنے کی طرف رغبت دلائی۔ انسان نے اپنے ماحول سے اپنے تعلق کی نوعیت کو تلاشا۔بدلتے موسموں کے اثرات کا مشاہدہ وتجربہ کیا۔شکاری دور سے زرعی دور اور زرعی دور سے مشینی دور تک انسان کی فکری سرگرمیوں کا ارتقا نہج تحقیق پر ہوا، ہر سماجی مظہر کی چھان بین کا سلسلہ جاری وساری رہا۔اب بھی ہے اور رہے گا بھی۔سائنس نے تجربات ومشاہدات کے ذریعے، کون سی چیز کیا ہے، کیسی ہے اور انسان کے کس کام آ سکتی ہے؟ معلوم کرنے کی کوشش کی، ان سب یعنی سائنس کا علم یا سماجی سائنسوں کے علوم کا دائرہ کار تحقیق کے مدار سے باہر نہیں ہے۔الغرض پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی موجودہ من جملہ پیش رفت کی تمام سطحیں تحقیق کے علمیاتی پہلو کا ایک رُخ ہیں اور کسی بھی علم کی ترقی بہر حال، بہر طور، بہر صورت، بہر کیف تحقیق کی مرہونِ منت ہے۔

لغات کے مطابق تحقیق کا لفظ کھوج، تفتیش، دریافت اور چھان بین کے معانی کا حامل ہے۔انگریزی میں لفظ ریسرچ (Research) کا مطلب توجہ سے تلاش کرنا ہے۔جو فرنچ لفظ Reshercher سے مشتق ہے، جس کے معنی پیچھے جا کر تلاش کرنا کے ہیں۔مولانا کلب عابد کے مطابق:

> ''تحقیق عربی کا لفظ ہے یہ بابِ تفعیل سے مصدر ہے اس کے اصل حروف ح ق ق، اس کا مطلب حق کو ثابت کرنا، یا حق کی طرف پھیرنا ہے۔''(۱)

حق کے معنی سچ ہیں۔مادہ حق سے دوسرا لفظ حقیقت بنا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ تحقیق سچ یا حقیقت کی دریافت کا عمل ہے۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے مطابق ''تحقیق کے لغوی معنی کسی شے کی حقیقت کا اثبات ہے۔اصطلاحاً یہ ایک ایسے طرزِ مطالعہ کا نام ہے جس میں، موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔''(۲)

> ''تحقیق کا مقصد نامعلوم حقائق کی تلاش اور معلوم حقائق کی توسیع یا ان کی خامیوں کی تصحیح ہے۔ان دونوں کا نتیجہ حدودِ علم کی توسیع ہے اور حدودِ علم کی توسیع انسانی ترقی کا باعث ہے۔''(۳)
>
> ''تحقیق کا مطمحِ نظر حقیقت کی جستجو اور واقعے کی صداقت کی تلاش ہے۔''(۴)

ادبی محقق کے تین کام ہیں:

۱۔ نئے حقائق کی تلاش ۲۔حقائق کی تصدیق یا تردید ۳۔حقائق کی تشریح وتعبیر(۵)

تحقیق کے بارے میں چند مغربی مفکرین کی آراء بھی ملاحظہ ہوں:

ہل وے نائرسن (Hilway Nireson) کے مطابق: ''تحقیق سچائی کی تلاش کا ایک طریقہ ہے۔اس کے ذریعے انسان ایسے حقائق اور افکار حاصل کرتا ہے جن سے وہ پہلے واقف نہیں ہوتا۔''

ایڈم (Adam) کے مطابق: ''تحقیق سچائی کی تلاش کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، یہ نئے علم کو سامنے لاتا ہے اور گذشتہ غلطیوں اور خامیوں کی درستی کرتا ہے۔تحقیق کے ذریعے حاصل شدہ علم، منظم، باجواز اور باتصدیق ہوتا ہے۔

ایلیٹ (Elliot) کے مطابق ''تحقیق مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے ایک باضابطہ اور منظم کوشش کا نام ہے۔''

کوری (Corey) کے مطابق ''تحقیق تاریخی طور پر نظریاتی اور عملی عمل کو تیز کرنے کا ذریعہ ہے۔''

رومل جے فرانسس (Rummel J. Francis) کے مطابق ''تحقیق ایک کوشش ہے جو پہلے علم کی تلاش پھر تصدیق اور بعد میں اس کی تشہیر کرتی ہے۔''(۶)

سی-سی کرافورڈ کے خیال میں تحقیق کا مفہوم یہ ہے:

> "Research may be defined as a method of studying problems, whose solutions are to be derived partly or wholly from facts." (7)

تحقیق کی تعریف، مقاصد اور دائرہ کار کے ضمن میں مشرقی اور مغربی محققین کی مذکورہ آرا کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ تحقیق دراصل کسی ادب پارے کی بازیافت، تصدیق یا تردید، نئے حقائق کی تلاش، حقائق کی تشریح و تعبیر حقیقت کی تلاش و توسیع اور تصحیح سے عبارت ہے۔

ان مذکورہ بیانات کا محوری نقطہ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ خود حقیقت کیا ہے؟

ہر چند حقیقت کا لفظ اپنی مجرد حیثیت میں کسی متعین معنی کا حامل نہیں ہے۔ مختلف سیاق میں اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ تاہم ''اصل'' اور ''بنیاد'' ایسے لازمات ہر سیاق میں اس کے ہم رکاب ہوتے ہیں۔ گویا حقیقت کو فطرت، سماج، نفسیات یا مابعد الطبیعیات کسی سیاق میں استعمال کیا جائے۔ اس کے مفہوم میں اصلی و بنیادی ہونے کا تلازمہ شامل رہتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سیاق کی تبدیلی سے حقیقت کا قدری تصور بدل جاتا ہے۔ گویا سماجی حقیقت، سائنسی حقیقت، ادبی حقیقت اور مابعد الطبیعیاتی حقیقت، قدری پیمانے پر یکساں اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ''اقدار'' سیاق میں ہیں، خود حقیقت میں نہیں۔ اگرچہ اردو تحقیق اعلانیہ اپنا تعلق ادبی حقیقت سے جوڑتی ہے --- مگر حقیقت یہ ہے کہ اردو تحقیق اس مفہوم میں ادبی تحقیق ہے کہ یہ کسی نہ کسی سطح پر ادب سے متعلق ہوتی ہے... لہٰذا اردو تحقیق میں حقیقت سے مراد وہ سداقت ہے جو اردو کی ادبی تاریخ کے کسی محور پر بطور واقعہ اور متن کے وجود میں آئی۔ واقعہ اور متن اپنی اصلی حالت میں موجود تھے مگر کاتبوں کے قلم اور مؤرخوں کے بیانات نے دونوں کی اصلی حالت میں تبدیلی پیدا کر دی۔ تحقیق کا کام اسی اصلی حالت کی بازیافت ہے۔(۸)

لفظ ''حقیقت'' کو ڈاکٹر گیان چند نے اردو کی ادبی تحقیق سے جوڑتے ہوئے اس کا تاریخی تناظر بھی بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے ادبی تحقیق کے مقاصد کے بارے میں وہ یوں رقم طراز ہیں: ''جہاں تک اردو کی ادبی تحقیق کا تعلق ہے۔ اس کا بھی یہی مقصد ہے کہ جن مصنفین، ادوار، علاقوں، کتابوں اور متفرق تخلیقات کے بارے میں کم معلوم ہے ان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جائیں۔ ان کے بارے میں اب تک جو کچھ معلوم ہے اس کی جانچ پڑتال کر کے اس کی غلط بیانیوں کی تصحیح کر دی جائے۔ تاکہ غلط مواد کی بنا پر غلط فیصلے صادر نہ کر دیے جائیں۔''

(۹)

اردو کی ادبی تحقیق جن عناصر اور لوازمات کے ذریعے اپنا سفر طے کرتی ہے۔اس بارے میں مختلف مفکرین کی آرا سامنے آئی ہیں تاہم ڈاکٹر تلک سنگھ کی رائے صائب نظر آتی ہے۔ان کے نزدیک عناصر تحقیق یہ ہیں۔''۱۔نامعلوم کو معلوم کرنا،۲۔غیر موجود کو ڈھونڈ لانا،۳۔مواد کی تنقیح،۴۔فکر کی مدد سے اصول کی تلاش،۵۔مناسب اسلوب،۶۔بنیادی مقصد علم کے دائرے کی توسیع۔''(۱۰)

علمی بنیادوں پر ماہرین نے تحقیق کو مختلف درجوں میں منقسم کیا ہے۔ہر ایک کا مطمحِ نظر علم تحقیق کے مختلف پہلوؤں تک رسائی حاصل کرنا اور اس سفر کو آسان بنانا ہے۔اس سلسلے میں اس کی جماعت بندی کے لیے تین پہلو سامنے لائے گئے ہیں۔

۱۔بنیادی تحقیق ۲۔علمی تحقیق ۳۔ترقیاتی تحقیق

ادبی تحقیق کے لیے کسی بھی محقق کا ان مدارج کو جاننا لازم ہے،جس کا لازمی نتیجہ حقائق کی بازیافت میں آسانی ہے۔

ہر سماجی مظہر یا متن اپنی صفات سے شناخت بناتا ہے۔ادب کی تحقیق کو کن صفات سے متصف ہونا چاہیے۔اس حوالے سے کرافورڈ نے جو تعلیمی تحقیق کی صفات مقرر کی تھیں وہ علمی وادبی تحقیق کے بھی حسبِ حال معلوم ہوتی ہیں۔وہ رقم طراز ہیں:

۱۔ اس کا مرکز کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔
۲۔ اس میں کوئی نئی بات کہی جاتی ہے۔
۳۔ اس کا دارومدار جستجو،پسند دل اور دماغی رُجحان پر ہے۔
۴۔ اس کے لیے کھلے دل ودماغ کی ضرورت ہے۔
۵۔ اس کا انحصار اس مفروضہ پر ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں تبدیلی ممکن ہے۔
۶۔ اس کا مقصد قوانین کا انکشاف کرنا اور پھر انھیں عام بنانا ہے۔
۷۔ یہ سبب اور اثر کا مطالعہ ہے۔
۸۔ اس کی بنیاد پیمانہ پر ہے۔
۹۔ اس کے لیے ایک بیدار فہمی طریقۂ کار لازمی ہے۔ (۱۱)

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ موجود و دستیاب کی حقیقت یا اصل تک رسائی تحقیق کا طرۂ امتیاز ہے۔موجود و دستیاب کس قدر غیر معمولی یا غیر اہم ہیں اس سے تحقیق کو ہر چند کوئی غرض نہیں مگر بازیافت کے ذریعے اس کی اصلیت کو طشت از بام کرنا اس کا بنیادی فرض ہے۔علمی وادبی تحقیق کے مقاصد کھوج، چھان بین، نامعلوم سے معلوم تک رسائی،حقائق کی بازیافت،تفتیش، دریافت،توسیع،تصحیح،تعبیر وتشہیر سے ترتیب پاتے ہیں۔ان کو تحقیق کے آلات جانتے ہوئے جملہ ادب پاروں کی حقیقت جاننے کے لیے بروے کار لایا جاتا ہے اور حقائق بازیافت کے لیے اس ڈگر کو اپنایا جاتا ہے، جو علم کی توسیع کا باعث ہو اور قیاس سے مبرا ہو۔تحقیقی عمل مسلسل جاوداں

اور تفہیم رواں کے مصداق ہے۔ ہو چکے پر گہری نظر رکھنے، اس سے گرد ہٹانے اور اس کی اصل صورت کو آئینہ کرنے سے عبارت ہے۔ تمام فن پارے اس کی زد میں ہیں۔ یہ تمام اصناف ادب کو محیط ہے۔ دراصل فنِ تحقیق، پس منظر میں موجود کسی بھی لسانی مظہر کو اُجالنے اور اُسے پیش منظر میں فعال حالت میں پیش کرنے کا دعوے دار ہے اور اپنے وسیع تر مفہوم میں اشیا و مظاہر کی بازیافت، تفہیم اور علم کے حصول کا باوقار ذریعہ اور معتبر طریقہ کار ہے۔

تحقیق اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مختلف دائروں میں منقسم ہے۔ ماہرین تحقیق نے آسانی کے لیے اسے بنیادی پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تاریخی تحقیق ۲۔ بیانیہ تحقیق ۳۔ تجرباتی تحقیق
۴۔ کلینیکل تحقیق ۵۔ موضوعاتی تحقیق

موضوع کے پیش نظر اس کی چار قسمیں بنائی گئی ہیں:

۱۔ عمرانیاتی تحقیق ۲۔ نفسیاتی تحقیق ۳۔ نصابی تحقیق
۴۔ کلاس روم تحقیق

موضوع کو پس پشت ڈال دیں تو تحقیق کو دو خانوں میں رکھا جا سکتا ہے اور ادب کے ساتھ ساتھ ہر علم و فن کو اس کے زمرے میں لایا جا سکتا ہے:

۱۔ سندھی اور غیر سندھی تحقیق ۲۔ انفرادی اور اجتماعی تحقیق

ڈاکٹر وجے پال سنگھ کے نزدیک درج ذیل اقسام ہی معتبر قرار پائی ہیں:

۱۔ نفسیاتی تحقیق: یعنی مختلف اصناف، رجحانات، ادیبوں اور کتابوں کا نفسیاتی مطالعہ
۲۔ تہذیبی تحقیق: تہذیب کو وسیلہ اور ادب کو مقصود یا اس کے بالعکس مان کر تحقیق کرنا۔
۳۔ تاریخی تحقیق: تاریخ اور ادب کے مشترکہ موضوعات مثلاً تاریخی ناول، انیسویں صدی میں قومی بیداری کا ہندی ادب پر اثر۔
۴۔ علوم بلاغت و شعریاتی تحقیق
۵۔ لسانی تحقیق
۶۔ تقابلی تحقیق: اس میں ایک ادب کا دوسرے ادب سے یا کئی ادبوں کا ایک دوسرے سے تقابل کیا جاتا ہے یا ایک ہی ادب میں ایک ادیب کا دوسرے ادیب یا ایک کی ایک تخلیق کا دوسری تخلیق سے تقابل کیا جاتا ہے۔ (۱۲)

الغرض تحقیق کی تمام قسموں کو ان دو دائروں میں رکھا جا سکتا ہے:

۱۔ خالص تحقیق ۲۔ اطلاقی تحقیق۔(۱۳)

تحقیق زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ ایک ادق اور دشوار راستہ ہے اور اس راہ میں کئی کٹھ مقامات آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ محقق باصلاحیت، پرعزم اور باحوصلہ ہو جملہ پیش آمدہ رکاوٹوں کو باوقار انداز میں عبور

کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ محققین نے محقق کے متعدد اوصاف گنوائے ہیں کسی بھی اسکالر میں ان اوصاف کا پایا جانا ازحد ضروری ہے ورنہ صحیح معنوں میں کسی بھی موضوع سے انصاف نہیں کر پائے گا۔ سب سے پہلے ان اوصاف کو گنوانا ضروری ہے جو باقی تمام صفات کو محیط ہیں:

۱۔ قوتِ استدلال	اخذ یاتی اور تخلیقی
۲۔ قوتِ حافظہ	ادراکی، مفصل اور مبنی بر دلائل
۳۔ مراقبہ (ارتکازِ فکر)	مضبوط اور طویل
۴۔ ذہنی صداقت	اپنی جانب اور موضوع کی جانب
۵۔ شوق اور حوصلہ	بنیادی تخلیقی عمل سے متعلق
۶۔ تجسس	مستعد اور فعال

ان کے علاوہ رجحان، خود اعتمادی اور موضع سے دلچسپی کو اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔(۱۶)

ڈاکٹر گیان چند نے کامیاب محقق کے اوصاف کو چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ان چار حصوں میں ذیلی صفات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ان کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ انھوں نے بڑی عرق ریزی سے محقق کی صفات کے جملہ پہلوؤں کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے زمرے درج ذیل ہیں: کرداری، ذہنی، ادبی، علمی۔

(ا) کرداری یا اخلاقی:

حق گوئی، بے تعصبی اور غیر جانب داری، ہٹ دھرم اور ضدی نہ ہو، کسی دنیوی فائدے کی تلاش نہ کرے۔ تحقیق کی طرف رغبت اور ولولہ ہو۔ مزاج میں ڈٹ کر محنت کرنے کا مادہ ہو۔ مزاج میں بے صبری اور عجلت ہو۔ محقق کے مزاج میں اعتدال ہونا چاہیے۔ غرور علم نہ ہو منکسر المزاج ہو اور اخلاقی جرأت ہو۔

(ب) ذہنی اوصاف:

غیر معتدل مزاج، ضعیف الاعتقاد نہ ہو، استفہامی مزاج ہو یعنی، مزاج میں سائنس دان کی سی قطعیت ہو۔ شہادت کو پرکھ کر استخراجِ نتائج کر سکے۔ حافظہ اچھا ہو۔ سکون کے ساتھ ذہن کو کام پر مرکوز کرے۔

(ج) علمی اوصاف:

نامعلوم کو معلوم کرنے کی کرید ہو۔ اردو کے علاوہ دوسری زبانوں سے واقفیت اور تاریخ کا شعور (ماضی سے گہری واقفیت)) ہونے کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے علوم (سماجیات اور نفسیات) سے بھی واقف ہو۔

(د) ادبی اوصاف:

ادبی علوم سے واقفیت، محقق کو کسی حد تک نقاد بلکہ تخلیق کار کی صفات سے بھی متصف ہونا چاہیے۔" (۱۵)

کسی بھی محقق کے لیے راہ نما کا ہونا اس قدر ضروری ہے جس قدر حیاتیاتی عمل کے لیے خوراک اور راہ نما بھی ایسا ہو جو خود اس راہ کا مشاق راہرو ہو ورنہ محقق کے بھٹکنے کا خدشہ برابر رہے گا۔ نگران کا پختہ کار، مفکر اور راہ ساز ہونا ضروری ہے۔ تا کہ راہ نمائی کا فریضہ بطریقِ احسن انجام دے سکے۔ تحقیق کے جملہ مراحل اور مراتب کی جزیات سے بخوبی آگاہ ہو تا کہ زیرِ نگرانی کام کرنے والے محقق کے موضوع سے متعلق ہر سوال کا جواب دے سکے۔ نگران کا طبعی میلان تحقیقی ہو۔ زیرِ نظر موضوع پر کامل دسترس رکھتا ہو، اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود محقق کے لیے وقت مختص کر سکے۔ فیاض اور سیر چشم ہو۔ علاوہ ازیں درج ذیل صفات سے متصف ہو:

☆ امید وار کی موضوع کی تلاش میں رہبری کرے۔
☆ موضوع کا خاکہ بنا کر دینا۔
☆ ابتدائی کتابیات اور ماخذ کی نشاندہی کرنا۔
☆ محقق کی ہر قدم پر رہنمائی کرنا۔
☆ محقق کے کام کی اصلاح و ترقی کے لیے مشورے دینا۔ (۱۶)

مطالعے اور تجزیے کے مراحل طے ہونے پر پہلا مرحلہ مقالہ کی تشکیل کا آتا ہے چونکہ کوئی بھی محقق تحقیقی مقالہ اپنے لیے کم اور دوسروں (قارئین) کے لیے زیادہ لکھتا ہے۔ نتائجِ مطالعہ کو دوسرے محققین تک پہنچانا محقق کا فرض ہے اس لیے مقالہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تحقیقی مقالہ سند حاصل کرنے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے ہو دونوں کی نوعیت میں چنداں فرق نہیں ہوتا۔ ماہرین نے اس کی دو قسمیں متعارف کروائی ہیں:

(ا) مختصر مضمون: جو کسی رسالے یا یادگاری ارمغاں یا کسی اور مجموعہ مضامین کے لیے لکھا جائے۔

(ب) طویل مقالہ: اس کی مزید دو قسمیں کی جا سکتی ہیں:

۱۔ متوسط یونی سو صفحات کا
۲۔ طویل مقالہ جو کئی سو صفحات کا ہو سکتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تحقیقی مقالہ کیا ہوتا ہے۔

"تحقیقی مقالہ وہ تحریر ہے جس میں زیرِ تحقیق موضوع کے متعلق جملہ مواد کو پیش کیا جاتا ہے، پرکھا جاتا ہے اور اس کے بعد مناسب نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔"

صاحب عماد التحقیق، موالان کلبِ عابد نے تحقیقی مقالہ کے بارے میں فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا ہے "زیرِ بحث مسئلہ کے متعلق ریسرچ اسکالر کی سعی و کوشش کے وہ مدون نتائج کو تمام ضروری مالہ، وعلیہ اسناد اور دلیلوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔" (۱۷)

واضح رہے کہ انگریزی لفظ (Thesis) کے معنی تحقیقی مقالہ یا کتاب ہرگز نہیں بلکہ کلیہ یا دعوے کے ہیں۔

مقالہ کی پہلی منزل مفروضہ (Hypothesis) یعنی مفروضہ قائم کرنا۔ ازاں بعد اگر یہ مفروضہ دریافتوں اور دلائل سے ثابت ہو جائے تو اسے کلیہ (Thesis) کہتے ہیں۔ اردو میں جس لفظ کو ہم Thesis یا کلیہ کہتے ہیں وہ اردو کے بیشتر مقالات پر صادق نہیں آتا۔ چوں کہ گیان چند صاحب کی رائے میں ہمارے ادبی ''مقالے بیانیہ، تجزیاتی، تشریحی اور شاذ استدلالی ہوتے ہیں۔'' حالانکہ مقالہ صرف اور صرف استدلالی ہونا چاہیے۔

مقالہ کے حجم کے بارے پارسنس رقم طراز ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا مقالہ پانچ ہزار الفاظ کا ہونا چاہیے۔ بی۔اے سطح کا بیس ہزار الفاظ اور ایم۔فل یا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ایک لاکھ الفاظ کا ہونا چاہیے۔ ان کو تین سو الفاظ فی صفحہ سے تقسیم کریں تو ۱۷، ۶۷ اور ۳۳۳ صفحے بنتے ہیں۔

ہر مقالہ مختلف مراحل سے گزر کر تکمیل کے مراحل طے کرتا ہے۔ طویل تحقیقی مقالہ سندی ہو یا غیر سندی اس کے لیے مشرق و مغرب کے ماہرین نے مختلف منازل کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال پارسنس (Parsons) اور گیان چند کی بتائی ہوئی منازل و مراحل کو وقیع اور معتبر گردانا جا سکتا ہے۔ ہر دو حضرات کے خیالات ضبطِ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ Parsons نے تحقیق کی گیارہ منزلوں کی نشاندہی کی ہے۔

''۱۔ موضوع کا انتخاب، ۲۔ ابتدائی مطالعہ اور حد بندی، ۳۔ نوٹ لینا، ۴ نوٹوں کی ترتیب دینا، ۵۔ پہلا مسودہ لکھنا، ۶۔ نگران کو دکھانا، ۷۔ مقالہ کی ایڈیٹنگ، ۸۔ آخری مبیضہ، ۹۔ ایک بار پھر چیک کرنا، ۱۰۔ جلد بندی، ۱۱۔ زبانی امتحان۔'' گیان چند صاحب کے مطابق مقالہ کی منازل تو گیارہ ہی ہیں مگر Parsons سے قدرے مختلف ہیں یعنی ۱۔ موضوع کا انتخاب، ۲۔ ماخذ یعنی کتابیات کی ابتدائی فہرست بنانا، ۳۔ خاکہ (Synopsis) یعنی فہرستِ ابواب کا نقشِ اوّل بنانا، ۴۔ مواد کی فراہمی، ۵۔ پڑھنا اور نوٹ لینا، ۶۔ نوٹوں کو پرکھنا اور مرتب کرنا، ۷۔ پہلا مسودہ لکھنا اور اس کے ساتھ حسبِ ضرورت خاکے میں ترمیم کرنا اکثر صورت میں یہ ترمیم ناگزیر ہوتی ہے، ۸۔ مسودے پر نظرثانی کر کے اس کی تبییض، ۹۔ اگر سندی مقالہ ہے تو اس کی کئی کاپیاں تیار کرا کے داخل کرنا، ۱۰ موافق فیصلے کی صورت میں زبانی امتحان دینا، ۱۱۔ اشاعت۔ (۱۸)

تدوینِ متن میں مذکورہ منازل ضروری نہیں یہ صرف تحقیقی کاموں کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

تحقیقی مقالہ کے اجزا کے بارے گیان چند صاحب کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے ہر چند وہ اس بارے میں تشکیک کا شکار ہیں، رقم طراز ہیں کہ ''اردو کی تحقیقی کتاب میں ذیل کے اجزا ہو سکتے ہیں۔''

۱۔ ''سرورق، اندر کا ورق جس پر کاپی رائٹ اور ناشر یا ایڈیشن وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے، ۲۔ انتساب (اختیاری)، ۳۔ فہرست مطالب، ۴۔ تصویروں اور جدولوں کی فہرست اگر وہ مقالے میں ہیں، ۵۔ دیباچہ، ۶۔ اس کے فوراً بعد اعترافِ ممنونیت، ۷۔ کسی دوسرے کا تحریر کردہ مقدمہ (اگر ہے)، ۸۔ متن، ۹۔ ضمیمہ یا ضمیمے (اختیاری)، ۱۰۔ حواشی (اختیاری)، ۱۱۔ فرہنگ (اختیاری)، ۱۲۔ کتابیات، ۱۳۔ اشاریہ۔'' (۱۹)

مبادا کسی کو یہ گمان گزرے کہ تنقید متن (Textual Criticism) ادبی تنقید (Literary Criticism) ایسی تنقید ہے۔ ایسا ہرگز نہیں چوں کہ تنقید متن یا متنی تنقید اپنی نوعیت اور مقاصد کے اعتبار سے بہرحال مختلف ہے۔ ادبی تنقید ادب کی فکری و فنی قدر و منزلت کا تعین کرتی ہے، مگر تنقیدِ متن میں کسی غیر تحقیقی نقطہ

نظر کو بے دخل اور ذاتی پسند و ناپسند سے ماورا ہوتی ہے۔اس میں متن سے متعلق خارجی و داخلی حقائق کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور متن کی تحقیقی اور ترتیبی اہمیت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔انسائیکلوپیڈیا امریکانا نے متنی تنقید کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''متن کے اصل الفاظ کے تعین، اسے مکمل کرنے اور واقعیت و اصلیت تلاش کرنے کی غرض سے پرانی تحریروں کے سائنٹفک مطالعے کو متنی تنقید کہتے ہیں۔'' (۲۰)

تنقید متن کے کام کو بنیادی طور پر دو بڑے حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ پہلا حصہ معروضی مطالعہ ہے جس میں (متنی معارض، متنی مواقف) کو زیر بحث لایا جاتا ہے جب کہ دوسرا حصہ موضوعی مطالعہ پر مشتمل ہے جس میں (متنی معارف، متنی مصادر، متنی محاسن) سے گفتگو کی جاتی ہے۔

متنی معارض میں کتاب کی ہیئت، تقطیع، مسطر، تعداد اوراق/صفحات، خالی ورق، کاغذ، قلم، روشنائی، رسم کتاب، تزئین، مہریں، دستخط جیسے امور پر بحث کی جاتی ہے جب کہ متنی مواقف میں کتاب کے مشتملات، اصطلاحات، قلم زد سطور، منسوخ اشعار، زمانۂ تالیف، تاریخ کتاب، تکلمہ، خاتمہ، تتمہ، ترقیمہ، تعلیقات، قطعات وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

متنی معارف میں متنی شواہد اور عصری معلومات کو دیکھا جاتا ہے۔متنی مصادر میں کتب و رسائل اور وسیلہ ہائے معلومات کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ متنی محاسن میں صاحب کتاب کے اسلوب نگارش پر خالصتاً علمی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے۔(۲۱)

متن کی اصل اور صحیح صورت وہی ہوسکتی ہے جسے صاحب متن نے خود پیش کیا ہو اس کی اصل بازیافت پر تحقیق متن اپنا کام کرتی اور دو زاویوں سے وضاحت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔یعنی، منضبط متن اور منتشر متن، تحقیق متن کے اساسی امور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔مثلاً متن کی ہیئت (حدود) کا تعین، الحاق و اضافات کی نشاندہی، متنی حقائق کے گم شدہ سلسلوں کی بازیافت کے ساتھ متنی حقائق کی جستجو اور چھان بین یہاں منضبط متن اور منتشر متن سے تعارف ضروری ہے۔اوّل الذکر وہ متن ہے جس کی ہیئت کا تعین فی الجملہ ممکن ہو اور تقسیم ابواب، فہرسِ مطالعہ، تشریح مضامین ابیات و اصناف کی تعداد کی نشاندہی اس نوع کی کوئی دوسری وضاحت کی جائے، ثانی الذکر ایسے متن کو کہتے ہیں جس کے مختلف اجزا یا آثار تمام و کمال صورت میں اپنی اصل کے ساتھ موجود نہ ہوں۔(استفادہ: تنویر احمد علوی، اصولِ تحقیق و ترتیب متن، ص ۷۸)

متن کی صحیح حدود کے تعین، تحقیقی و تقابلی مطالعے کی روشنی میں اس کے گمشدہ سلسلوں کی بازیافت، غیر مشمولہ اجزائے متن کی شمولیت اور الحاق اضافت کی مختلف صورتوں کی تردید یا تائید نیز اوریجنل روایت کی تحقیق کے ساتھ اگر یہ سب ممکن ہو سکے، متن کی اپنی تاریخ پر توجہ دینا ضروری ہے جس سے متن کی تحقیق، تفہیم اور ترتیب کے متعدد مسائل وابستہ ہوتے ہیں۔ان مسائل کو ہم تین حصوں یعنی تبییض متن، کتابِ متن اور انطباعِ متن میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے مطابق کسی متن کی تبییض یا تالیف کی تاریخ کو ہم درج ذیل سات صورتوں میں سے حسبِ ضرورت و موقع، کسی ایک یا زائد صورتوں سے وابستہ کر کے دیکھ سکتے ہیں یعنی انضباطی تعین، اختتامی تعین، تخمینی تعین، استقرائی تعین، اشتہادی تعین اور اجزائی تعین، تاریخ کتابت کو زمانی تقدیم و تاخیر اور مصنف کے ساتھ ان کے تعلق کی

نسبت سے درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

خطی نسخے، ہم عہد کے نسخے، قریب العہد نسخے، اہم نسخے بعد کے نسخے (استفادہ تنویر احمد علوی، اصولِ تحقیق و ترتیب متن، ص ۱۰۸-۱۰۹)

تحقیق وتنقید دراصل تخلیق کی فرع ہیں جو ہمیشہ اپنی اصل کی طرف راجع رہی ہیں۔تخلیق بنیادی اور اساسی اہمیت جب کہ تحقیق وتنقید کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ان تینوں کا باہمی تعلق لازم وملزوم ہے۔تحقیق وتنقید کے وجود و وقوع کا اثبات تخلیق کے وجود سے عبارت ہے اگر تخلیق نہ ہو تو تحقیق وتنقید کیسی! تخلیق وتنقید انحصار باہمی کی ڈگر پر سفر کرتی ہیں۔تحقیق عموماً خارجی وتاریخی واقعات اور الفاظ ومحاورات کی چھان بین پر نظر رکھتی ہے۔اس کے برعکس تنقید کسی ادبی تخلیق کے حسن اندروں کو نگاہ میں رکھ کر اس کے معیار و حلقہ اثر کا تعین کرتی ہے۔لیکن دوسرے علوم پر قیاس کر کے ادب کو تحقیق وتنقید کے خانوں میں بانٹ کر دیکھنا کچھ زیادہ مفید نہیں ہوتا، جب تک وثوق سے یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی ادب پارہ کس کی تخلیق ہے کب اور کن حالات میں وجود میں آیا اور جس زبان سے اس کا تعلق ہے اس میں زبان وبیان کی فصاحت و بلاغت کے کیا اصول ہیں۔اس وقت تک تنقید کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر اسے قدم آگے بڑھانا ہے تو تحقیق کا سہارا لینا ہوگا۔یہی حال تحقیق کا ہے۔تنقیدی شعور سے بے نیاز رہ کر وہ اپنی ادبی اہمیت نہیں منوا سکتی اگر اسے ادب کا مستقل جزو بننا ہے تو غیر ضروری مسائل کو نظر انداز کر کے صرف اہم اور افادی امور کو ادبی تحقیق کا موضوع بنانا ہوگا۔ایسے اہم اور افادی جن سے تنقید کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔" (۲۲)

تنقید اور تحقیق کے باہمی رشتے کے بارے متعدد آراء پائی جاتی ہیں۔میتھیو آرنلڈ نے کہا کہ نیا علم پہلے آنا چاہیے فیصلہ اس کے بعد کیا جا سکے گا۔ایلیٹ یوں رقم طراز ہیں:

> "شاید درحقیقت ایک مصنف کی اپنی تصنیف کے سلسلے میں محنت شاقہ کا بڑا حصہ تنقیدی محنت کا ہوتا ہے یعنی چھاننے، جوڑنے، تعمیر کرنے، خارج کرنے، صحیح کرنے، جانچنے کی محنت یہ اذیت ناک محنت جتنی تنقیدی ہوتی ہے اتنی ہی تخلیقی ہوتی ہے۔" (۲۳)

تحقیق اور تنقید میں باہمی تعلق کی وضاحت بیت سن قدرے مختلف انداز میں کرتا ہے۔اس کا بیان تحقیق وتنقید کے حسین امتزاج کی جھلک لیے ہوئے ہے۔وہ لکھتا ہے:

> "محقق اور نقاد دونوں سچائی کی دریافت میں لگے ہوئے ہیں۔نقاد کو زیادہ تر تخلیق سے تعلق رہتا ہے۔ محقق کو اس کے وجود میں لانے اور اس کے وجود میں آنے اور اس کے بعد کی تاریخ محقق جو حقائق اکٹھا کرتا ہے، جن سے تفہیم ادب میں مدد ملے۔تحقیق وتنقید الگ الگ نہیں دونوں ادبی متن کا مطالعہ کرتی ہیں۔دونوں تخلیق سے متعلق خارجی معلومات پر نظر رکھتی ہیں۔دونوں حقائق اور منطق کی قدر کرتی ہیں۔" (۲۴)

تحقیق وتنقید کے باہمی رشتے کی ممکنہ انواع کی توضیح کے بعد ضروری ہے کہ تحقیق وتنقید کے مابین اشتراک، اختلافات اور مماثلت پر ڈاکٹر گیان چند کے فکر افروز اور پُر مغز خیالات سے استفادہ کیا جائے۔اشتراک کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

۱۔ دونوں ادب کی ذیلی شکلیں ہیں۔
۲۔ دونوں کا عمل بہت کچھ مماثل ہے یعنی حقائق کو پرکھنا، ترک اختیار اور استخراج نتائج۔

اختلافات مابین تحقیق وتنقید:

دونوں کا مادہ مختلف ہے۔
تحقیق کا مقصد علم میں اضافہ ہے، تنقید کا مقصد علم سے واقفیت کرانا ہے۔
تحقیق میں دریافت پر زیادہ زور ہے اور تنقید میں پرکھ پر، تحقیق کی بہت سی شکلیں تنقید کے تحت نہیں آتیں، تنقد کی بہت سی شکلیں تحقیق میں شمار نہیں کی جا سکتی، روح (آتما) کی تلاش اور آرٹ تنقید کے خواص ہیں، تحقیق میں ان کی اہمیت ثانوی ہے، تحقیق کا عمل سائنسی کی طرح ہوتا ہے اور اس میں سائنسی معروفیت ہوتی ہے۔تنقید میں اس کی اہمیت ثمنی ہے، تنقید سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ادب کے لیے لگاؤ پیدا کرے، تحقیق سے یہ توقع نہیں، تحقیق معلوم جان کاری (حقائق) کی بنیادوں پر نئے مؤقف قائم کرتی ہے، تحقیق کا مقررہ سائنسی طریقہ ہے، تحقیق بنیادی طور پر مبنی ہے، تحقیق سائنس کی طرح اشیا پر مبنی ہے جب کہ تنقید اشخاص پر (اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔) تحقیق تخلیق کے پس پشت اسرار کا انکشاف کرتی ہے۔تنقید تخلیق کی ماہیت کا انکشاف کرتی ہے، تحقیق کا موضوع پوشیدہ ہے۔یعنی مخفی کو برآمد کرنا ہے، تنقید کا موضوع منکشف ہے، محقق اپنا کام شروع کرنے سے پہلے کوئی مفروضات قائم نہیں کر سکتا جب کہ تنقید میں اس کی ممانعت نہیں، محقق کے سامنے پہلے سے مقررہ معیار نہیں ہوتا جب کہ تنقید کے پاس ہوتا ہے، تحقیق کی زبان سائنسی اور غیر جذباتی ہوتی ہے۔(ڈاکٹر نا گینہ، ڈاکٹر جندر بھان اور ڈاکٹر سنگھل کے خیالات سے ماخوذ)

تحقیق وتنقید میں مماثلت:

دونوں ادب کے شعبے ہیں، تنقید، تخلیق کے جذبۂ حیات کا انکشاف کرتی ہے، تحقیق اسی جذبے کے پس پشت کام کرنے والے حقائق کا انکشاف کرتی ہے، تنقید ان عوامل کو بھی تلاش کرتی ہے جن کے زیر اثر تخلیق ہوئی اور اس طرح تحقیق کے نزدیک پہنچ جاتی ہے، دونوں حقائق پر نظر رکھتی ہیں، دونوں میں تشریح، تعبیر، تاویل، جانچ، پرکھ وغیرہ مشترک ہیں، دونوں کا آخری مقصد ادب کو سماج کے لیے مفید ثابت کرنا ہے۔(۲۵)

مذکورہ بیانات سے قطع نظر تحقیق اور تنقید کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔تحقیق اپنا زور حقائق کی بازیافت اور احیا پر صرف کرتی ہے جب کہ تنقید، تخلیق کو بہ طرز مسیحا زندہ کرتی ہے۔ہر فن پارہ چوں کہ تہ دار علامتی لسانی مظہر ہوتا ہے۔ یہ کئی سماجی، نفسیاتی، آئیڈیالوجیکل عوامل سے متشکل ہوتا ہے۔اس پر اسطور، کلامیے اور مہابیانیے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سب کو زیر بحث لاتی ہے تو صرف تنقید! تحقیق، کمیتِ فن پارہ سے خود کو ثمر بار کرتی ہے جب کہ تنقید کیفیت کلام کو مطمح نظر بناتی ہے۔تحقیق اور تنقید ہر چند دو متوازی دھارے ہیں مگر ان میں ایک حد فاسل بہر حال موجود رہتی ہے۔ ان کو ملانے کی کوشش دخل اندازی اور دراندازی متصور ہوگی۔تحقیق فن پارے کو اجاگر کرتی ہے جب کہ تنقید فن کو! ویسے

بھی ابتدا سے اب تک اردو تحقیق کے طریقہ ہائے کار کے دمان میں تعبیر، تجزیے اور تنقید کی گنجائش نظر نہیں آتی

اور ہونی بھی نہیں چاہیے۔ یہ معلوم کہ تنقید اور تحقیق اپنی ءاصل اور نوع کے اعتبار سے دو الگ علم ہیں اگر ان کو آپس میں مدغم کرنے کی کوشش کی گئی تو ہر دو کی شناخت اور پہچان معدوم ہو جائے گی۔

حوالہ جات:

۱۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحقیق کا فن**، طبع سوم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۹

۲۔ ایضاً

۳۔ عبدالرزاق قریشی، **مبادیاتِ تحقیق**، بمبئی: ادبی پبلشرز، ۱۹۶۸ء، ص ۴

۴۔ نذیر احمد، ''تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل''، مشمولہ، **تحقیق شناسی** (مرتبہ: رفاقت علی شاہد)، لاہور: القمر انٹرپرائزز، ۲۰۰۳ء، ص ۵۲

۵۔ خلیق انجم، ''ادبی تحقیق اور حقائق''، مشمولہ، مشمولہ، **تحقیق شناسی** (مرتبہ: رفاقت علی شاہد)، ص ۴۳

۶۔ نثار احمد، ''تحقیق کیا ہے''، مشمولہ ماہنامہ **اخبارِ اردو**، اسلام آباد: جولائی ۲۰۰۸ء، ص ۱۶

۷۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، **اردو میں اصولِ تحقیق** (جلد اوّل)، طبع چہارم، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، ص ۸

۸۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، **لسانیت اور تنقید**، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۷۲

۹۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحقیق کا فن**، ص ۱۳

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ عبدالرزاق قریشی، ''فنی تحقیق''، مشمولہ **اردو میں اصولِ تحقیق**، ایم سلطانہ بخش، ص ۷۲

۱۲۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحقیق کا فن**، ص ۱۷

۱۳۔ **اخبارِ اردو**، جولائی ۲۰۰۸ء، ص ۱۴

۱۴۔ عبدالستار دلوی، پروفیسر، تحقیقی عمل کے مراحل، مشمولہ اردو میں اصولِ تحقیق (جلد اوّل)، ص ۸۴

۱۵۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحقیق کا فن**، ص ۳۹-۴۵

۱۶۔ ایضاً ، ص ۴۷-۴۸

۱۷۔ ایضاً ، ص ۵۸

۱۸۔ ایضاً ، ص ۶۳-۶۴

۱۹۔ ایضاً ، ص ۲۷

۲۰۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، **متنی تنقید**، لاہور: سنگ پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

۲۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، ''تنقیدِ متن''، مشمولہ **اردو میں اصولِ تحقیق**، ایم سلطانہ بخش، ص ۳۴۱-۳۴۳

۲۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، **تحقیق و تنقید**، کراچی: ماڈرن پبلشرز، ۱۹۶۳ء، ص ۳۴۳

۲۳۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحقیق کا فن**، ص ۲۱

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً ، ص ۲۳، ۲۴، ۲۵